سمیرا حمید

اُس دن کا جوگی

''مجھے دو عدد سرمے دے دیں۔''

مدرسے کے بچوں کی طرح رحل پر جھکے سپارہ پڑھنے کے انداز سے وہ' اونگھ رہا تھا کہ آواز آئی۔ آواز کچھ ایسی تھی کہ وہ سوتا ہی رہ جاتا تو کتنا ظلم ہوتا..... اس پر..... اُس پر..... دونوں پر.....

''دو.....؟''

آنکھیں مسل کر اس نے نیند کی دھند کو کم کرنے کی کوشش کی۔ عورتوں کو ''محبوب آپ کے قدموں میں'' کا سرمہ دیتے دیتے' وہ خود کم و بیش سرمے جیسا سرمئی ہو گیا تھا۔ پھر اس کی زندگی بھی تو سرمہ دانی میں مقید ہو گئی تھی جیسے۔

''جی دو.....'' وہ شاید ہنسی تھی۔

''ایک سرمے کی شیشی چار پانچ مہینے نکل جاتی ہے' دو کیا کریں گی جی؟'' حکیم صاحب سن لیتے تو اسے دو سو کوڑے لگواتے۔

''وہ زیادہ سرمہ لگاتے ہیں۔''

''دو آنکھوں میں کتنا زیادہ لگا لیتے ہیں..... یہی کوئی چھٹانگ بھر؟''

''ہاں' کچھ ایسا ہی ہے۔'' وہ پھر ہنس دی۔ ہاتھ سے دوپٹے کے کنارے کو کھینچ کر چہرہ چھپایا ہوا تھا۔

''پھر تو باگڑ بلا ہی لگتے ہوں گے وہ۔''

''آپ کو اس سے کیا۔'' وہ برا مان گئی۔

اسے بھی برا لگا کہ آخر ایسا کون ہے' جو اس کے آگے جھک جانے کے لیے تیار نہیں ہے۔ جس کے لیے اسے یہاں آنا پڑا ہے۔ عقل کا گھامڑ' دل کا اندھا۔ ایسا کون ہے۔

سرمے کی دو شیشیاں اس نے اس کے آگے کیں اور بقایا پیسے اسے واپس کیے۔ جب وہ جانے لگی تو رُک کر اس کی طرف پلٹی۔ پرانے لاہور کی' گرد آلود دُکان کے کھلے پھاٹک کے اس پار' سورج کی کرنیں' اس کے آنچل سے ہو کر' کلائی کی چاندی کی چوڑیوں پر چمک چھوڑ رہی تھیں۔ اور گاؤں کے کنوار کی آنکھیں' چکا چوند ہونے لگی تھیں۔

''آپ لگاتے ہیں یہ سرمہ؟''

''نہیں..... میری آنکھوں میں چبھتا ہے.....''

''پھر مجھے کیوں دیا..... ہمیں کانٹے نہیں چاہیے.....''

''آپ کو محبوب تو قدموں میں چاہئیں نا؟''

وہ ہنسی۔ سڑک سے گزرتے کچھ راہ گیر' کھلے پھاٹک سے اندر جھانکنے لگے۔ اس کی ہنسی کی گھنٹیوں نے' شہر کے کنواروں کے دلوں میں بھی اودھم مچا دیا ہو گا نا۔

''یہ میں اپنی سہیلی کے لیے لے کر جا رہی ہوں۔''

''بہت نیک دل ہیں آپ' سہیلی کے غم کی بہت فکر ہے۔''

دوپٹے کا کنارا ذرا سا ڈھیلا چھوڑ کر اس نے بڑی اداسی سے کہا۔ ''کسی کو میرے غم کی فکر جو نہیں۔''

''آپ کا کیا غم ہے جی؟''

''سب خود ہی بتانا ہوتا' تو یہاں تک کیوں آتی؟''

دکان کی محراب کے نیچے سے گزرنے سے پہلے اس نے ایک نظر پیچھے مڑ کر اسے دیکھا' کہا اور چلی گئی۔

''دیکھا تھا یا نہیں دیکھا تھا۔'' وہ رات بھر یہ بات سوچتا رہا تھا۔ ''نہیں دیکھا تھا۔'' صبح تک وہ اس نتیجے پر پہنچ چکا تھا۔

اور اسی صبح ایک عورت آندھی طوفان بنی ہوئی آئی تھی۔

''یہ کیا کوئلے کی راکھ پیس کر دی تھی؟ دھنک کر رکھ دیا اس نے مجھے ڈنڈوں سے۔''

''کس نے؟'' اس کی کم بختی اس نے پوچھ لیا۔

''تمہارے باپ نے.....''

''پر وہ تو مر چکے ہیں..... میں یتیم ہوں آپا جی.....''

''آپا ہو گی تیری ماں..... دیدی بول مجھے۔''

''پر دیدیاں تو ہندوستان میں نہیں ہوتیں.....''

''میں بھی وہیں سے آئی ہوں..... پیسے واپس کرو میرے۔''

''اوہ! دیدی سرحد پار کے لوگوں پر یہ سرمہ اثر نہیں کرتا.....''

''پر میرا والا تو یہیں تمہارے دیش کا رہنے والا ہے۔''

''لیکن لینے والا تو اس دیش کا نہیں ہے نا دیدی.....''

''تو اس شیشی پر یہ لکھوانا کہ یہ کس پر اثر کرے گا اور کس پر نہیں کرے گا.....''

دیدی نے سرمے کی شیشی اس کے سر پر دے ماری۔ اس کی پیشانی سے خون نکلنے لگا۔

حکیم صاحب آئے' ہوں ہاں کی اور اسے

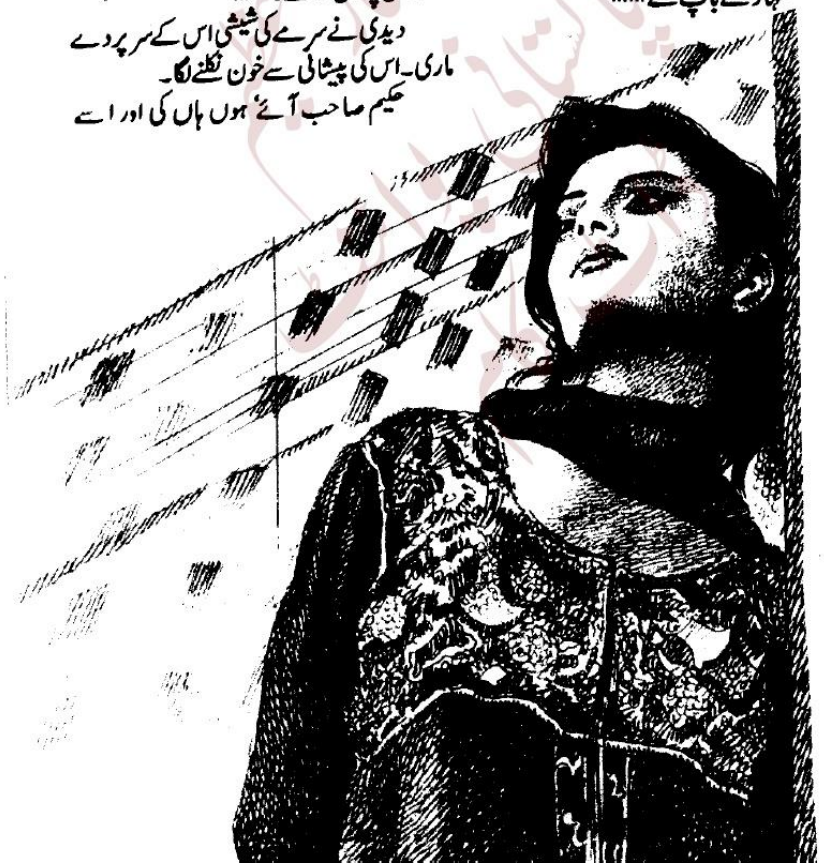

ہلدی لگانے کا کہہ کر چلے گئے۔ اسے بڑا غصہ آیا۔ یعنی وہ مرتے مرتے بچا اور یہاں حکیم صاحب ہوں ہاں کر کے چلے گئے۔ تین سال سے وہ حکیم صاحب کی خدمت کر رہا تھا۔ صبح سے رات تک اس قدیم خانے میں بیٹھا رہتا تھا۔ رات کو ایک کونے میں بستر بچھا کر سو جاتا تھا۔ صبح اٹھ کر سرمہ خانے کی صفائی کرتا' سڑک پر پانی کا چھڑکاؤ کر کے جھاڑو لگاتا' دکان کے لکڑی کے کواڑوں کی گرد جھاڑتا' ''محبوب آپ کے قدموں میں'' کا بورڈ صاف کرتا' اور پھر کسی ہوٹل سے نان چنے لے کر کھا لیتا۔ دن کو حکیم صاحب کے گھر سے کھانا آجاتا' جو وہ بچا کر رات تک کھا لیتا تھا۔ پتا نہیں حکیم صاحب ہی سب سے زیادہ کنجوس تھے' یا گھر والے بھی اسی بیماری میں مبتلا تھا۔ آج تک دوپہر کے کھانے میں دو روٹیوں سے زیادہ' ایک نوالہ نہیں آیا تھا۔ آیا تو انہیں کبھی اس پر ترس بھی نہیں تھا کہ بچہ اتنے سالوں سے اپنی جوانی' اس کوٹھری جیسی دکان میں برباد کر رہا ہے' اسے ہفتے دو ہفتے کی چھٹی دے کر گاؤں ہی بھیج دیا جائے۔ ورنہ پوری چھٹی دے کر برخاست ہی کر دیا جائے۔

حکیم صاحب ان کے گاؤں سے تھے اور مائی کے دُور کے رشتہ دار تھے۔ آج کل ایک نیم سرکاری دواخانے میں ملازمت کرتے تھے' اور اسے اپنا ملازم رکھے ہوئے تھے۔ آپا کی شادی کے لیے مائی نے حکیم صاحب سے کچھ قرض لیا تھا۔ اس کی تنخواہ اسی قرض میں کاٹی جاتی تھی۔ اب مائی نے ہی اتنا قرض لے لیا تھا کہ تین سال میں بھی ادا نہیں ہوا تھا' پاوہ خود ہی نکما تھا کہ حکیم صاحب سے حساب کتاب نہیں کر سکتا تھا کہ بتائیں میری جان بخشی کب ہو گی۔ اس نے ایک دو جگہ کام تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ آس پاس کے دکان دار اور چائے کے ہوٹلوں والے حکیم صاحب سے ڈرتے تھے' اسے کام کیسے دے دیتے۔

خط لکھ لکھ کر وہ مائی کی منت کرتا تھا کہ خدا کے لیے اس کی جان حکیم صاحب کے چنگل سے نکلوا دیں۔ پر مائی بے چاری بھی کیا کرتیں' ان کے پاس تھا ہی کیا جو وہ حکیم صاحب کو دے کر اسے واپس گاؤں بلا لیتیں۔

لیکن آج اس کی ہمت جیسے جواب دے گئی تھی۔ سر پر چوٹ کھانے کے بعد دل کی چوٹوں کا حساب لینے وہ حکیم صاحب کے گھر آگیا۔ دروازے پر مکا مارا' پھر پاؤں سے ٹھڈا۔

''کون ہے؟ یہ کیا طریقہ ہے دستک دینے کا۔'' حکیم صاحب کی بھڑکی ہوئی آواز آئی

''میں ہوں قدوس.....'' وہ بالکل نہیں ڈرا۔

''یہاں کیا کرنے آئے ہو.....'' وہ اور بھڑک کر بولے

''حساب لینے آیا ہوں میں.....'' دہلیز پار کر کے وہ صحن میں کود گیا اور حکیم صاحب سے زیادہ اُونچی آواز میں چلایا۔

''یہ کیسے غنڈوں کی طرح بات کر رہے ہو۔ عقل سمجھ کہاں گئی تمہاری۔''

''گنوار ہونے سے تو غنڈا ہونا اچھا ہے۔ کیا سمجھا ہے آپ نے مجھے؟ تین سال سے ہمارا قرض ہے کہ ادا ہونے کا نام نہیں لے رہا۔ رات دن میں اس گھٹیا سرمے کے ساتھ پستا ہوں۔ جب سے میں دُکان میں آیا ہوں' آپ کا کاروبار چمکنے لگا ہے۔ کبھی کبھی تو دن کی سوشیشیاں بھی آرام سے نکل جاتی ہیں۔ اور تنخواہ کے نام پر آپ مجھے کیا دیتے ہیں؟ ہر مہینے کٹوتی' دو روٹیاں اور پتلی دال؟ شہروں میں ایسے کھانے پکائے جاتے ہیں؟ نہ نمک نہ مرچ' ٹماٹر نہ پیاز؟ گھی کا تڑکا لگانا نہیں آتا پکانے والوں کو تو سیکھ لیں کسی سے۔ انسان ہوں میں' بطخ نہیں کہ پانی میں بھیگی روٹیاں کھالوں گا۔''

السلام علیکم

ہمیں اپنے بلاگز (ویب سائیٹ) FAMOUS URDU NOVELS, BOOKS BANK

PRIME URDU NOVELS, FREE URDU DIGEST, READING CORNER

کے لئے ناول رائیٹرز کی ضرورت ہے۔ اگر آپ ہمارے بلاگز پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم،

آرٹیکل، شاعری پوسٹ کروانا چاہیں تو ہم سے رابطہ کریں۔ اپنی تحریر اردو میں ٹائپ کر کے ہمیں بھیجیں۔

آپ کی تحریر ایک ہفتے کے اندر پوسٹ کر دی جائے گی۔ مزید تفصیلات کے لئے انباکس میں رابطہ

کریں یا ای میل کریں یا ہمارے گروپ اور پیج پر رابطہ کر سکتے ہیں۔ یا واٹس ایپ پر بھی کانٹیکٹ کر سکتے ہیں۔

Wats app No :- 03335586927

Email address :- aatish2kx@gmail.com

Facebook ID :- www.facebook.com/aatish2k11

Facebook Group :- FAMOUS URDU NOVELS AND DIGEST

SEARCH AND REQUEST FOR NOVELS, NOVELS DISCUESSION

اس کی تقریر جاری رہتی اگر اس کے کانوں نے چوڑیوں کی جھنکار اور دبی دبی ہنسی پر غور نہ کر لیا ہوتا۔ ان میں کوئی ایک ہنسی ایسی تھی کہ حکیم صاحب کو کھری کھری سناتے' وہ اس ہنسی پر چونک کر رکا اور گردن اٹھا کر دیکھنے لگا۔ اُوپر ستون اور پردوں کے پیچھے کوئی تین چار لڑکیاں کھڑی تھیں۔ کسی کی کلائی دکھائی دے رہی تھی' کسی کے بال اور ایک کی کاجل سے بھری آنکھ۔

سامنے موڑھوں پر حکیم اور حکیمہ صاحبہ بیٹھے چائے پیتے رہے ہوں گے' کہ اس کی گرما گرم باتوں نے چائے سے پہلے انہیں ٹھنڈا کر دیا تھا۔

''میں گاؤں واپس جا رہا ہوں۔'' اتنی ساری لڑکیوں کی ہنسی سے گھبرا کر اس نے بھی گھبرا کر کہا۔

''دفعان ہو جاؤ یہاں سے..... دوبارہ کبھی اپنی شکل نہ دکھانا.....''

وہ دفعان ہو گیا۔ قدیم خانے آ کر اپنا سامان سمیٹنے لگا کہ حکیم صاحب آئے۔

''یہ کھانا کھا لو' پھر چلے جانا۔''

اس نے طنزیہ ٹرے کی طرف دیکھا اور دنگ رہ گیا۔ آلو گوشت کا سالن' تنوری روٹیاں اور کھیر۔

''یہ طشتری لے جائیں' مجھے ایسا کھانا کھانے کی عادت نہیں جناب!''

ایسا کھانا لانے کی عادت انہیں بھی نہیں تھی اس لیے وہیں چھوڑ کر چلے گئے۔ جب اسے یقین ہو گیا کہ وہ واقعی چلے گئے ہیں تو اس نے کھانا کھا لیا۔ پھر سامان باندھنے لگا کہ پکوڑوں کے ساتھ چائے آ گئی۔

''گاؤں پہنچنے تک اندھیرا پھیل جائے گا۔ گاؤں کے تو راستے بھی بہت خراب ہیں۔ صبح منہ اندھیرے نکل جانا۔''

پکوڑے کھا کر' چائے پی کر وہ نکلنے ہی والا تھا کہ حکیم صاحب نے کہا۔ وہ رات رک گیا۔ صبح حلوہ پوری کا ناشتہ کیا اور جا کر اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ اب حکیم صاحب کھانوں سے لدی طشتریوں سمیت شرمندہ تھے تو کچھ شرم اسے بھی کرنی پڑی اور وہیں رکنا پڑا۔

☆☆☆

''اتنے سرے کا آپ کی سہیلی کیا کرتی ہے۔''

رکا ہوا وقت چلنے لگتا تھا..... ایک مہینے میں وہ تیسری بار جو آئی تھی۔

''پانی میں گھول کر پی جاتی ہوں۔''

''ہوں.....؟؟ تو آپ اپنے لیے لے کر جاتی ہیں۔ اگر آپ نے واقعی میں مرنا ہے' تو زہر پئیں' سرمہ نہیں۔''

''آپ دوسروں کو جان سے جانے کے مشورے دے رہے ہیں؟''

''وہ تو آپ کے اپنے ارادے ہیں..... میں تو بس.....'' وہ گڑبڑا گیا

''تو آپ کے ارادے کیا ہیں؟ اب بتا بھی دیں.....؟؟''

''اب بتا بھی دیں۔'' قدوس کو اس ''اب'' پر بڑی حیرت ہوئی۔ اس نے اس کی بے پردہ آنکھوں کو دیکھا۔ اور اچانک' اس لمحے اسے لگا کہ جیسے وہ حکیم صاحب کی آنکھیں دیکھ رہا ہو۔

''آپ حکیم صاحب کی کوئی رشتہ دار ہیں؟''

''بہت دیر سے یاد آیا رشتہ پوچھنا۔'' منہ موڑ کر وہ چلی گئی۔ پھر دوبارہ نہیں آئی۔ نہ جانے سہیلی کا کام بن گیا تھا یا اس نے ہی سرے کو زہر بنا کر پی کر خود کو ختم کر لیا تھا۔

☆☆☆

اب کبھی کبھی وہ کھانے کے برتن دینے حکیم صاحب کے گھر چلا جاتا تھا۔ برتن باہر سے ہی پکڑ لیے جاتے تھے اور چائے کا گلاس تھما دیا جاتا تھا۔

ایک دن بے خیالی میں اس کا پاؤں کیچڑ سے

بھر گیا تو اس نے کپڑے دھونے کے لیے پانی کی درخواست کی جس کے جواب میں اسے اندر آ کر پیر دھو لینے کی اجازت مل گئی۔ حکیمہ صاحبہ صحن میں بیٹھی تسبیح پڑھ رہی تھیں۔

پاؤں دھو کر وہ پلٹنے ہی لگا تھا کہ نظر اُوپر کی سمت اٹھ گئی۔ جہاں ستون کے پیچھے وہ جلدی سے چھپ گئی تھی..... لیکن وہ دیکھ چکا تھا۔

''جی' وہ وہاں کوئی ہے.....'' اس کی سادگی کہ اس نے حکیمہ صاحبہ کو ہاتھ کے اشارے سے بتایا

''تو.....؟ تمہیں اس سے کیا؟'' تسبیح پڑھ رہی تھیں پھر بھی آواز میں مٹھاس کی بڑی کمی تھی

ہاں اسے اس سے کیا۔ لیکن وہاں جو تھی وہ ہنس دی۔ ستون سے چہرہ اس کی طرف کیا اور پھر دوپٹے کے پلو میں چھپا لیا۔

قدیم خانے واپس آ کر اس سے پھر اور کوئی کام نہیں ہو سکا۔ شیشیوں میں سرمہ بھرا گیا' نہ ہی ان پر پرچیاں چپکا سکا۔ رات کو حکیم صاحب نے دن بھر کا کھاتہ دیکھا تو حیران اسے دیکھنے لگے۔

''یہ کیا ہے؟''

وہ چونک کر رجسٹر کی طرف دیکھنے لگا۔ وہاں دو آنکھیں بنی تھیں۔ ''آنکھیں ہیں جی.....''

''یہاں کیا کر رہی ہیں؟''

''پھر کہاں جائیں جی؟''

''ٹھیا گئے ہو؟''

وہ سٹپٹا کر انہیں دیکھنے لگا۔ رات کو کھانے کے ساتھ دیسی گھی کی چوری بھی آئی۔ دماغ کی گرمی خشکی دُور کرنے کے لیے۔

اگر وہ لڑکی حکیم صاحب کی رشتہ دار ہے تو وہ سرمہ لینے یہاں کیوں آئی تھی۔ سرمہ تو حکیم صاحب کے گھر ہی بنتا تھا۔ وہ سوچتا رہا' سوچتا رہا اور پھر سفید پٹی ہاتھ پر اچھی طرح سے باندھ لی۔ کھانے کے برتن دینے گیا تو اس زخمی ہاتھ سے برتن آگے کیے۔

''یہ ہاتھ پر کیا ہوا؟'' حکیمہ صاحبہ کی آواز آئی۔

''کر گیا تھا۔ گوشت پھٹ گیا ہے..... بہت خون نکلا..... بچ ہے جی.....''

''بتا دیتے کوئی مرہم بھجوا دیتی۔ اچھا چلو اندر آؤ۔''

وہ اندر چلا گیا۔ صحن میں جا کر بیٹھ گیا۔ حکیمہ صاحبہ اندر باورچی خانے میں تھیں۔ اس نے سر اٹھا کر اُوپر دیکھا اور پھر سر کو واپس جھکانا بھول گیا۔ وہاں وہ کھڑی تھی۔ کاجل کی جگہ آج سرمہ آنکھوں میں لگا تھا اور محبوب قدموں میں بیٹھا تھا۔

وہ جانتی تھی' وہ آئے گا..... وہ جانتا تھا' وہ جائے گا.....

اس کا ماننا تھا' محبوب قدموں میں گرانے کے لیے نہیں ہوتے.....

وہ بھی مانتا تھا کہ محبوب تو سر آنکھوں پر بٹھائے جاتے ہیں.....

☆☆☆

رات بہت مشکل سے گزری۔ صبح منہ اندھیرے وہ حکیم صاحب کو بتائے بغیر قدیم خانہ چھوڑ کر گاؤں واپس لوٹ آیا۔

لیکن چین آیا نہ سانس۔ وہ چچا کے کھیتوں میں ہاتھ بٹانے لگا۔ چپ چاپ کام کرتا۔ رات کو ڈیرے پر ہی سو جاتا۔ چچا کے یار بیلیوں کو حقے بنا بنا کر دیتا۔ دن ڈھلتا' تو پگڈنڈی پر کھڑا ہو کر کتنی ہی دیر تک سورج کو ڈوبتے ہوئے دیکھتا رہتا کہ رات ہو جاتی۔ ستارے ٹمٹمانے لگتے۔ رات کچھ کانٹوں پر' کچھ آہوں پر گزرتی۔

''دل پر جندری لگ گئی ہے کاکا! یا کھول دو' یا کھلوا لو۔'' چچا کے یار دوستوں میں سے ایک نے شانہ تھپتھپا کر کہا۔

دل سے آہ نکلی۔ وہ ماں بیٹا سوکھی روٹیاں کھا رہے ہیں۔ حکیم صاحب اسے زہر کھلا دیں گے' اس

کے ہاتھ اپنی لاڈلی کا ہاتھ نہیں دیں گے۔

''حکیم صاحب سے کوئی جھگڑا ہو گیا تھا قدوس؟'' جیٹھ ہار کے بچھڑے سے مائی نے ماگھ میں پوچھا

''نہیں مائی.....''

چچا کی فصل اچھی رہی۔ گھر میں دانے بھی آ گئے۔ مائی نے دو بوری چاول حکیم صاحب کے گھر بھجوائے تو وہ واپس آ گئے۔

''وہاں کیا کر آیا ہے قدوس؟'' مائی رونے لگی۔ ان کی ایک بیٹی ہے مائی!''

اس نے بس اتنا کہا اور خاموش ہو گیا۔ مائی نے بھی دوبارہ نہیں پوچھا۔

کبھی اسے بھی لگتا تھا کہ وہ گھبرو جوان' رانجھا جوگی ہے۔ کبھی اس کا بھی ماننا تھا کہ اس کے دل سے نکلتی بانسری' اس کی ہیر سیال کو گھیر گھار کر اس تک لے آئے گی۔ لیکن جب شہر میں حکیم صاحب نے اسے اس کی اوقات دکھا دی تو گاؤں کی لڑکیاں جو اسے رک رک کر دیکھا کرتی تھیں' اسے جھوٹی مکارنیں لگی تھیں۔

چار سال پہلے جب وہ پہلی بار حکیم صاحب کے گھر گیا تھا تو کوٹھری کی میلی کچیلی چارپائی دیکھ کر اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ حکیم صاحب کے لیے کسی چوڑے چمار سے کم نہیں۔ پتیل کے رنگ برنگے برتنوں میں' دال' روٹی اور کچی پیاز دیکھ کر وہ جان گیا تھا کہ گاؤں کے گنوار کی مہمان نوازی' شہر کے سنار ایسے ہی کرتے ہیں۔ کھٹی ہوئی کوٹھری کی اُداس رات میں بہت سے خواب اس کی آنکھوں میں دم توڑ گئے تھے۔ ورنہ مائی نے تو کہہ کر بھیجا تھا کہ کچھ عرصہ دُکان پر کام کرنا' پھر حکیم صاحب تمہیں کسی اچھی جگہ لگوا دیں گے۔

اسے گھٹل کاٹنے لگے' اور اس کا دم گھٹنے لگا تو وہ باہر نکل آیا اور چھت پر ٹہلنے لگا۔ بڑی دیر تک ٹہلتا رہا' پھر پیاس لگی تو دبے پاؤں نیچے آیا اور پانی پی کر واپس اُوپر جانے ہی لگا تھا کہ ایک کمرے سے اُسے کچھ آوازیں سنائی دیں۔ کھڑکی سے روشنی بھی آ رہی تھی۔ گاؤں کے گنوار نے کھڑکی میں سے جھانک کر دیکھا۔

ایک میز پر شیشے کا گلاس رکھ کر تین لڑکیاں آلتی پالتی مار کر بیٹھی تھیں۔ میز کے چاروں کونوں پر ایک ایک موم بتی روشن تھی۔

''میں بورڈ کے امتحان میں پاس ہو جاؤں گی نا؟'' آنکھیں بند کر کے ایک لڑکی نے پوچھا۔ گلاس چلتا ہوں ناں پر گیا۔ لڑکی نے چیخ ماردی پھر منہ بنالیا۔

''یہاں کوئی روح ووح نہیں ہے۔ یہ سب جھوٹ ہے۔''

بورڈ میں فیل ہونے والی جھلا گئی۔ پھونک مار کر موم بتیاں بجھا دیں۔ کھڑکی سے جھانکتے اسے ہنسی آ گئی۔ گنوار تھا نا' آہستہ آواز میں ہنس نہیں سکا۔ اس کی ہنسی سن کر ان کی چیخیں نکل گئیں۔

''کون ہے وہاں.....؟؟'' ان کی آوازیں کانپیں۔

''ہائے اللہ! وہ روح باہر کھڑی ہے..... کیوں برا بھلا کہا اسے تو نے۔''

وہ ڈر کر کمرے کی دہلیز پر آ کر کھڑا ہو گا۔

''جی۔ یہ میں ہوں جی..... قدوس..... گاؤں سے آیا ہوں..... کوئی روح ووح نہیں ہوں جی..... آپ سب ڈریں نہیں۔''

اس کے اتنا کہنے پر سناٹا چھا گیا۔ اندر کمرے میں اندھیرا تھا' صحن کی روشنی میں وہ کھڑا تھا۔ بورڈ میں فیل ہونے والی چلتی ہوئی اس کے پاس آئی.....

''چھپ کر ہماری باتیں سن رہے تھے۔''

نیم اندھیرے میں وہ اس کی دو آنکھیں ہی دیکھ سکا' لیکن وہ اسے پورا دیکھ رہی تھی۔

وہ بے وقوفی سے ہنس دیا۔ ''میں پانی پینے آیا

تھا جی! ویسے آپ پاس ہو جائیں گی' فکر نہ کریں۔''

''تمہیں کیسے پتا؟؟''

''ابھی ابھی پتا چلا ہے..... یہ نہیں پتا کہ کیسے چلا لیکن چل گیا۔''

وہ اسے گھورتی رہی۔

''باجی! ابا جی آجائیں گے..... دروازہ بند کر دو۔''

دوسری' تیسری بہن نے سرگوشی کی لیکن وہ اس کے سامنے ہی کھڑی رہی۔ وہ بھی کھڑا رہا۔ اسے بڑا انتظار تھا نا کہ کوئی اس پر جان لٹا دے۔ اس کے قدموں میں آ بیٹھے۔ کوئی جوگن ہو کر' اسے جوگی کر دے..... انتظار شاید تمام ہو گیا تھا.....

''باجی! سنتی کیوں نہیں ہو..... کیوں مروانا ہے ہمیں.....''

وہ واپس چھت پر چلا گیا۔ کوٹھری کے کھٹل پھر اسے نہیں کاٹے۔ میلی کچیلی چارپائی کمخواب کا بستر بن گئی۔

اگلے دن صبح اسے دکان میں لے جا کر بٹھا دیا گیا اور کام سمجھا دیا گیا۔ تین سال اس سے اتنی مشقت لی گئی کہ وہ بھول گیا کہ اس نے کسی کو پاس ہونے کا اشارہ دیا تھا۔ جس دن حکیم صاحب کے گھر سے ان کی کسی بچی کے پاس ہونے کی مٹھائی آئی تھی وہ تب بھی بھول گیا تھا کہ یہ وہی ہے' جو رو پڑی تھی۔ جو روحوں سے پوچھ رہی تھی۔

لیکن اسے یاد رہا کہ اس کے گھر کا کوٹھا کچا ہے۔ گاؤں کی پگڈنڈیوں پر دھول اُڑتی ہے۔ حکیم صاحب کی اور اس کی ذات ایک ہے لیکن اوقات میں بہت فرق ہے۔ وہ ستر سال بھی رانجھا بن کر ہیر سیال کے باپ کا ملازم بنا رہے گا تو بھی' انہونی' ہونی نہیں ہو گی۔ اور پھر آگ ادھر لگے یا ادھر' یا بھڑک جائے گی یا بجھا کر راکھ کر دے گی۔

اور وہ راکھ ہو رہا تھا۔ مائی نے اس کی شادی کرنی چاہی' لڑکی دیکھ لی' بات پکی کر دی' اور اس نے ہاتھ جوڑ دیے۔

''آدھا مر گیا ہوں' پورا نہ مار مائی! یہ سب کام رہنے دے۔''

مائی نے بڑی آہیں بھریں' منتیں کیں اور پھر اس کی طرح چپ ہو گئی۔ جوان اولاد کے دل کا غم' موت کے غم سے زیادہ ہوتا ہے۔ دوا چلتی نہیں' شفا ملتی نہیں۔

حکمت کے چوراہوں پر بھی' ہجر کے ناسور' دہائیاں دیتے پھرتے ہیں.....

اِدھر اُدھر پھرتے ہیں..... پھر بھی راہ پاتے ہیں نہ ''یار''۔

اسی راہ پر' سالوں بعد وہ' قدیم خانہ'' محبوب آپ کے قدموں میں'' کے بورڈ کے سامنے کھڑا تھا۔ دکان کے اندر کوئی کارخانہ لگ چکا تھا۔ بھاری مشینوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اُوپر محراب کی پیشانی پر بورڈ البتہ ویسے ہی لگا ہوا تھا اور اتنا گندا ہو چکا تھا کہ کچھ پڑھا ہی نہیں جا رہا تھا' لیکن اس نے ایک نظر دیکھ کر اسے پہچان لیا تھا۔

چچا نے بڑی منت کر کے اسے شہر ضروری کاموں کے لیے بھیجا تھا۔ دو مہینے سے بہت بیمار تھے چچا۔ وہ انکار کرتا رہا' لیکن پھر آنا ہی پڑا..... ٹرین سے اُترتے ہی بڑا ضروری لگا آنا کہ آتے ہی وہ بازار آیا' اور دکان کو دیکھنے لگا..... پھر دوسرے دن..... پھر تیسرے دن بھی.....

پتا نہیں وہ کس چیز کی تسلی کر رہا تھا۔ اپنی..... اس کی..... یا کسی کی بھی نہیں.....

چوتھے دن جب اسے گاؤں لوٹ جانا تھا' اور وہ دکان کے سامنے کے ہوٹل میں بیٹھا چائے پی رہا تھا تو ''قدیم خانہ'' کے سامنے سے وہ گزری۔ ساتھ ایک چھوٹی بچی تھی۔ اسے گمان ہوا کہ وہ وہی تھی' جو خود تو پاس ہو گئی تھی لیکن اسے فیل کر گئی تھی'

لیکن پھر اسے گمان ہوا کہ وہ' وہ نہیں تھی۔ حسن کتنا بھی گہنا جائے' اتنا بھی زوال پذیر نہیں ہوتا۔

وہ اٹھ کر اس کے پیچھے چلنے لگا' اور جب وہ اسے دیکھے بغیر ایک اور پل نہ رہ سکا تو سامنے آ گیا اور بری طرح سے چونک گیا۔ اس کی من موہنی صورت کو ایسا مرجھایا ہوا دیکھ کر اس کا دل ٹوٹ گیا۔

''السلام علیکم جی..... میں قدوس۔''

''تو.....؟'' کیسی تپش تھی اس کی آواز میں۔ کس دکھ سے اس نے کہا تھا۔

وہ گھبرا گیا۔ ''یہ بیٹی ہے آپ کی..... بہت بیماری ہے.....''

ایک دم اس کی آنکھیں بھر گئیں۔ ہونٹ کانپنے لگے۔ ''بانو کی بیٹی ہے .....''

''بانو کی بیٹی.....'' وہ زیر لب بڑبڑایا اور اسے دیکھنے لگا۔

''اب ہم جائیں؟'' کیسے مر مر کر جیتے اس نے پوچھا تھا۔ کس تڑپ سے اس نے دیکھا تھا۔

''اب.....'' گاؤں کے گنوار کے دل پر بہت گراں گزرا یہ ''اب''۔

بانو کی بیٹی کا ہاتھ تھام کر وہ اس کے شانے سے ٹکراتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ ایک گلی' دو گلی' ایک سڑک' دوسری سڑک۔ وہ رکنے کے لیے تیار ہی نہیں تھی۔ جیسے کسی کنوئیں کی تلاش میں ہو۔ اس میں جھانک کر کود جانے کے لیے۔

جان دے کر یہ جان لینے کے لیے محبت کے تاج پر' ہجر کے موتی کون پرو دیتا ہے۔

ایک سے دوسرے دل کے ملن میں یہ ماہی ماہی کون کوکتا ہے۔

وہ تو اس کا نام تک نہیں جانتا تھا..... وہ کیسے اسے پیچھے سے پکار لیتا.....

وہ رکتی ہی نہ تھی..... وہ اُسے روکتا ہی نہ تھا.....

لیکن جب تیز تیز چلتے اس نے پیچھے سے جا کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا..... تو.....

''تم نے تو کہا تھا میں پاس ہو جاؤں گی۔'' بڑی کبھی آہ تھی جسے سمیٹ کر وہ رو دی۔

''حکیم صاحب..... وہ کہاں مانتے۔''

کتنی مشکل سے اس نے کہا۔ اور اس نے اپنا ہاتھ جھٹک کر چھڑا لیا۔

''بزدل۔''

اپنے پیچھے وہ یہ کہتی گئی۔ حکیم صاحب نہ مانتے' وہ تو مان جاتا۔ اس کے قدموں میں بیٹھ کر کہہ دیتا' کہ میں ہار گیا۔ کچھ دل سے گیا' کچھ جان سے۔ میں تمہارا ہوا' تو اپنا بھی نہ رہا۔ وہ کچھ تو کہہ دیتا۔ اس کے در کا جوگی' روگ کا کاسہ توڑ دیتا.....

اس نے توڑ دیا اور بڑے احترام سے گھر میں داخل ہو کر' موڑھے پر بیٹھے وقت سے پہلے ضعیف ہو چکے حکیم صاحب کے قدموں میں بیٹھ گیا۔ وہ حکیم صاحب کے پیچھے کھڑی تھی۔ حلیمہ صاحبہ قرآن مجید پڑھ رہی تھیں۔ وہ ہجر کاٹ سکتا ہے تو ہجر سمیٹ بھی سکتا ہے۔ وہ ان قدموں میں اجازت ملنے تک بیٹھا رہنے والا تھا' اور سوالی بنے آخری سانس تک کہنے والا تھا۔

''میں جس کا نام تک نہیں جانتا' اسے میرے نام کر دیں حکیم صاحب۔''

☆

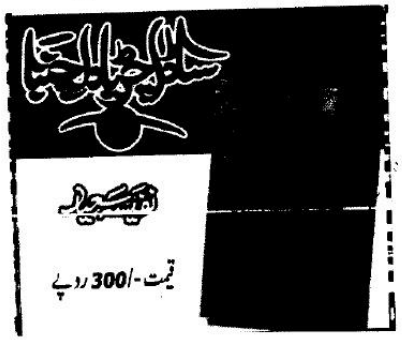

السلام علیکم

ہمیں اپنے بلاگز (ویب سائیٹ) FAMOUS URDU NOVELS, BOOKS BANK

PRIME URDU NOVELS, FREE URDU DIGEST, READING CORNER

کے لئے ناول رائیٹرز کی ضرورت ہے۔ اگر آپ ہمارے بلاگز پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم،

آرٹیکل، شاعری پوسٹ کروانا چاہیں تو ہم سے رابطہ کریں۔ اپنی تحریر اردو میں ٹائپ کر کے ہمیں بھیجیں۔

آپ کی تحریر ایک ہفتے کے اندر پوسٹ کر دی جائے گی۔ مزید تفصیلات کے لئے انباکس میں رابطہ

کریں یا ای میل کریں یا ہمارے گروپ اور پیج پر رابطہ کر سکتے ہیں۔ یا واٹس ایپ پر بھی کانٹیکٹ کر سکتے ہیں۔

Wats app No :- 03335586927

Email address :- aatish2kx@gmail.com

Facebook ID :- www.facebook.com/aatish2k11

Facebook Group :- FAMOUS URDU NOVELS AND DIGEST

SEARCH AND REQUEST FOR NOVELS, NOVELS DISCUESSION